بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمد للہ وَالصّلاۃ وَالسّلامُ عَلیٰ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔

حضرات !

میں آپ کی عزت افزائی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس اہم اجلاس کی صدارت کے لیے میرا انتخاب فرمایا ، ایک حقیقت پسند انسان کے لیے جو اپنی حقیقت سے آشنا اور کسی فریب میں مبتلا نہیں ہے، اس اعزاز و اعتماد کی قدر و قیمت صرف اتنی ہی ہے کہ اس کے ذریعہ اس کو اپنے دل کی بات کہنے اور کچھ حقائق و مسائل کے بارے میں اظہار خیال کا ایک ایسی فضا میں موقعہ ملتا ہے، جس میں اس کی بات سنجیدگی اور اعتماد کے ساتھ سُنی جاتی ہے، ہر چیز کی ابتدا بڑی نازک اور اہم ہوتی ہے، اور اس کا اثر اس کے پورے سلسلہ پر پڑتا ہے، خدا ہم سب کو اس اعتماد و ذمہ داری کا اہل ثابت فرمائے ۔

حضرات !

اس وقت ہمارا ملک اور ہماری ملّت دونوں ایسے خطرات و مصائب اور ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہیں، جو ملکوں اور ملّتوں کی زندگی اور تاریخ میں بعض اوقات صدہا برس کے بعد اور بعض اوقات اس سے بھی زائد عرصہ کے بعد پیش آتی ہے، اگر اس کی جلد خبر نہ لی گئی، تو پہلے یہ ملّت اپنے تشخص، اپنی مذہبی آزادی ، اپنی ثقافت و تہذیب اور اپنے عزیز سرمایہ (معابد و مدارس ، علمی ذخیرہ اور زبان و

ادب) سے محروم ہوگی، پھر یہ وسیع اور شاندار ملک مکمل طریقہ پر تباہ ہوکر رہ جائے گا، بُغض وعناد، بدگمانی اور بے اعتمادی کی فضا، انسانی جان اور عزت و آبرو کی بے وقعتی، مردم آزاری و آدم بیزاری، عقل پر جذبات کی حکمرانی، دور اندیشی پر کوتاہ اندیشی کا غلبہ، ملکی مفاد پر ذاتی اغراض کی ترجیح، جذبات کے پیچھے بہہ جانے اور کھوکھلے نعروں کے پیچھے دیوانہ بن جانے کی عادت، ایک ایسا زہر ہے جو بڑی سے بڑی قوم اور ملک کی ہستی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، فرقہ وارانہ فسادات، تنگ نظری، مفاد پرستی، حد سے بڑھا ہوا احساسِ برتری، جذبات سے مغلوب ہو جانے، روئی کی طرح جلد آگ پکڑ لینے اور بارود کی طرح بھک سے اڑ جانے کی صلاحیت، کسی ایک میدان میں محدود اور کسی ایک فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی، نفرت و اقتدار کی بڑھی ہوئی ہوس کی آگ کو اگر جلانے کے لیے ایندھن نہ ملے تو وہ خود کو کھانے لگتی ہے، دورِ جاہلیت کے ایک حقیقت پسند عرب شاعر نے عرصہ ہوا کہا تھا۔

والنار تاکل نفسہا ان لم تجد ما تأکلہ

(آگ اپنے کو کھانے لگتی ہے اگر اس کو کچھ اور کھانے کو نہ ملے)

ملک کی سیاسی جماعتیں ہر مسئلہ کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنے، جماعتی نفع و نقصان اور انتخابات میں ہار جیت کے پیمانہ سے ناپنے کی عادی اور پابند ہو چکی ہیں، وہ تخریب میں اپنی تعمیر، تفریق میں اپنا اتحاد، اور دوسروں کے نقصان و مصیبت میں اپنا فائدہ اور اپنی ترقی سمجھتی ہیں، جس ملک میں انسانی جان اتنی ارزاں ہو کر موہوم سیاسی مقاصد، محدود ذاتی اغراض اور عارضی اور مشکوک اقتدار کی خاطر سیکڑوں ہزاروں ہم وطنوں کی جان لی جا سکتی ہو، جہاں ایک نعرہ، ایک تقریر اور ایک اشتہار پر دیکھتے دیکھتے بیسیوں گھر بے چراغ اور سیکڑوں بچے اور عورتیں لاوارث کی جا سکتی ہوں، تنگ نظر اور مفاد پرست، فرقہ وارانہ قیادت،

احیاء پرستی کے جذبہ، غلط تاریخ اور غلط تعلیم و تربیت، غیر دیانت دار اور وطن دشمن صحافت (پریس) روزانہ نفرت و عداوت کے زہر کی ایک بڑی مقدار اس ملک کے لاکھوں، کروڑوں باشندوں کے دل و دماغ میں اتارتی رہتی ہے، اس نے تصویر کا صرف ایک ہی رُخ پیش کرنے کی قسم کھائی ہے، اس نے ہماری نئی نسل کے دماغوں کو اتنا مسموم کر دیا ہے اور اس کو اتنا بے برداشت، غضب ناک اور زود رنج بنا دیا ہے اور اس میں مشتعل ہو جانے کی ایسی صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ سارا ملک بارود کی ایک سرنگ کی طرح ہو گیا ہے جس کو ایک ذرا سے اشارہ سے ہر وقت اڑایا جا سکتا ہے۔

اسی سلسلہ کی چیز ہندو احیائیت Hindu Revivalism کی تحریک ہے، سیکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی، بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بُری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند، فراخ دل، اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارہ کیا، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش اس ملک کو نئے مسائل و مشکلات سے دو چار کرے گی، جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت، اور اسی طرح حکومت، انتظامیہ اور دانش ور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہو گی، جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت اور استحکام میں ضرورت ہے، تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے، اس کو جگانا نہیں چاہیے اس کے پاس سے خاموشی سے نکل جانا چاہیے، تاریخ کو اُلٹا سفر کرانا اور ماضی کے گڑے ہوئے مُردوں کو جو صدیوں سے سوئے ہوئے ہیں اکھاڑنے کی کوشش کرنا (عبادتگاہوں کی تبدیلی وغیرہ) کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہے، اور اس وقت ملک کو جن حقائق اور مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس میں اس کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے، اس سے ملک نئی نئی مشکلات اور غیر ضروری نزاعات میں پڑ جائے گا اور وہ ترقی پذیر

زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

انگریزوں نے (چونکہ وہ سات سمندر پار آکر اس ملک پر حکومت کررہے تھے جن کا ان کو کوئی استحقاق نہ تھا، اور وہ اپنی حکومت کو صرف خوف و رعب کے ذریعہ ہی قائم رکھ سکتے تھے) پولیس کی شکل میں ایک ایجنسی قائم کی جو لوگوں پر حکومت کا خوف و رُعب قائم کرسکے، اور وہ ہمیشہ اس سے لرزہ براندام رہیں اور اپنی عزت و عافیت کی خیر منائیں، انھوں نے نہ صرف اس میں کام کرنے والوں کی اخلاقی تربیت سے اعراض کیا، بلکہ اس کو اس کے برعکس ایسی تعلیم دی، اور اس کو اس کی کامیابی کا معیار قرار دیا، جس سے ہر شریف آدمی اور باعزت انسان ڈرتا ہے۔

جب خود ہندوستانی اور اہل مُلک، مُلک کی حکومت اور انتظامیہ پر فائز ہیں تو ان کو پولیس کی انسانی و اخلاقی تربیت کرنی چاہیے، ان میں خدمت و اعانت و ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے، اور پولیس کو ایک ایسے شریفانہ ادارہ اور ہمدرد انسان اور اپنے ہم وطنوں کے خادم کی شکل میں تبدیل کردینے کی کوشش کرنا چاہیے، کہ لوگوں کا ان کے بارے میں تصور و تأثر بدل لے، اور وہ ان کو اپنا محافظ و معاون سمجھیں، اُن کے دائرۂ اثر میں کوئی فرقہ کسی فرقہ کے ساتھ، کوئی فرد کسی فرد کے ساتھ زیادتی نہ کرسکے، اور وہ فرقہ وارانہ فسادات اور ظلم و تعدّی کے راستہ میں (خواہ وہ کسی فریق کی طرف سے ہو) سدِّ سکندری بن جائیں۔

آخر میں لیکن پوری وضاحت و صراحت اور اہمیت و تاکید کے ساتھ یہ حقیقت پسندانہ اور خیر خواہانہ مشورہ کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت اور کسی ایسے اقدام اور قانون سازی سے مطلقاً پرہیز و احتیاط کی جائے جس کو مسلمان اپنے دین میں مداخلت اور دستورِ ہند کی دی ہوئی آزادی کی تنسیخ کا مرادف سمجھیں۔

دنیا کے بہت سے ان ملکوں سے جہاں مسلمانوں کی اکثریت پائی جاتی ہے۔ یہاں مختلف اسباب کی بنا پر (جن سے بحث کرنا بے سود اور واقعات کی منطق کے خلاف ہے) زیادہ مذہبیت اور دینی احساس و حمیت پائی جاتی ہے، اس لیے یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور ملک کی اس عظیم ترین اقلیت کی (جس کو ملت کہنا زیادہ صحیح ہوگا) مذہبی آزادی میں (جو جارحانہ OFENSIVE اور امن عامہ کے خلاف نہیں) اُس کے پرسنل لا میں جو اس کے مذہب کا جزء ہے، اس کی مذہبی تعلیم اور اس کے مرکزوں اور اداروں میں جو ملک کے لیے مضر ہونے کے بجائے تعلیم و تہذیب پھیلانے اور دوسرے ملکوں میں اس ملک کا نام بلند کرنے کا ذریعہ ہیں، کسی نام یا کسی انتظامی قانون کی بنا پر مداخلت کرنا اس اقلیت کے دل و دماغ میں (جو بعض ملکوں کی پوری پوری آبادی سے زیادہ تعداد میں ہے) بے اطمینانی و بے چینی پیدا کرنے کا باعث ہوگا، اور ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کے حصول کے لیے مخلصانہ جد و جہد اور تعاون پر اثر انداز ہوگا۔

سب کے آخر میں، اس ملک کا اخلاقی انحطاط اپنے آخری نقطہ کو پہونچ گیا ہے، دولت پیدا کرنے کے جذبہ نے اور تھوڑے سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ کما لینے کے شوق نے جنون کی شکل اور سرسام HYSTERIA کی کیفیت اختیار کرلی ہے اور سب پر دولت کمانے اور زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کرنے کا بھوت سوار ہوگیا ہے، یہ جذبہ ملک کے ہر مفاد اور ہر ملکی و سیاسی مصلحت سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، وہ مذہب و اخلاقیات، شرافت و معقولیت، شہریت اور آئین، سب کے حدود پھلانگ گیا ہے، ہر محکمہ میں سخت بدنظمی، ہر شعبہ میں سخت ابتری، ہر موڑ پر لاقانونیت کا دور دورہ اور رشوت ستانی کی گرم بازاری ہے، انتہا یہ ہے کہ لوگ عاجز آ کر انگریزوں کے دور کی باقاعدگی اور زندگی کی سہولتوں کو یاد کرنے لگے ہیں، اور بعض اوقات اس دور غلامی کو اس دور آزادی پر ترجیح دینے لگتے ہیں،

یہ کسی ملک کے لیے ننگ و عار کا آخری درجہ اور صاحب اقتدار جماعت کی ناکامی اور نااہلی کی آخری دلیل ہے، کہ لوگ بدیسی حکمرانوں اور ملک کی عزت کو خاک میں ملانے والوں کو یاد کرتے لگیں ؏

حضرات!

ملک و معاشرہ کی موجودہ صورت حال کی (دل پر ہاتھ رکھ کر) یہ تاریک لیکن مطابق واقعہ تصویر سامنے لانے کے بعد جو اس موتمر مجلس کے لیے اگرچہ ضروری نہ تھی، لیکن وہ افادیت سے خالی بھی نہ تھی، تاکہ اس ملّت کو جس کی اپنے پیغام، کار منصبی اور اپنے تشخص و خصوصیات کے تحفظ کے سوا، اپنے معاشرہ اور ماحول اور اپنے مسکن و وطن کی خدمت و حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے، تاکہ وہ اس کو اپنے لیے بھی باعزت زندگی گذارنے کے قابل بنا سکے اور اہل وطن کو بھی سکون و اعتدال اور امن وامان کی ایسی زندگی گذارنے میں بھی مدد دے جس میں صلاحیتوں کو صرف کرنے اور اپنی حبُّ الوطنی، انسان دوستی اور شرافت کا ثبوت دینے کا موقعہ ہو۔

پھر یہ وہ امت ہے جس کے متعلق (قرآن و حدیث کی روشنی میں) کہنے والے نے سچ کہا ہے ؏

ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

اور اس احتساب کے ماسوا دنیا کی تعمیر نو کی بھی ہر زمانہ میں اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لیے اسی شاعر کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ ؏

معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کے افراد کو ایک کشتی کے سواروں سے تشبیہ دی ہے، جس میں پست حال مکینوں اور مُرفّہ الحال بالانشینوں کی کوئی تفریق نہیں، اگر اس کشتی میں کسی مسافر کی ناعاقبت اندیشی سوراخ کر دے اور پانی آنے لگے، تو پھر اس کشتی کا کوئی مسافر بچ نہیں سکتا، اور وہ کشتی ڈوبے گی

توسب ڈوبیں گے، ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، لیکن اس سوراخ کا بند کرنا ہماری حبُّ الوطنی اور حقیقت پسندی کا بھی تقاضہ ہے، اور ہمارے اس منصب احتساب، اور فلاح انسانیت کے فکر کا بھی جو ہمارے مذہب نے ہم پر عائد کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ[1] — اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس قلیل التعداد و مختصر جماعتِ مہاجرین کو جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئی تھی، اور چند سو سے زیادہ اس کی تعداد نہیں تھی، قعر ذلت وضلالت میں گرتی ہوئی دنیا اور جان بلب انسانیت کی چارہ سازی اور مسیحائی پر مامور فرمایا اور دعوت و ہدایت کا کام کرنے اور صلاح و استقامت کا نمونہ بننے اور اتحاد و تعاون کی تاکید فرمائی اور ان لفظوں سے اس کو خطاب کیا، جو تاریخ انسانی بالخصوص ساتویں صدی مسیحی کی تاریخ پڑھنے والے کو عالم حیرت میں پہونچا دیتے ہیں۔

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ۔[2] — اگر تم اس پر عمل نہ کروگے[3] تو دنیا میں بڑا فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد پھیلے گا۔

اس شاخ پر تبصرہ کرنے کے بعد جس پر تقدیر و حکمت الٰہی سے اس ملت کا نشیمن واقع ہے، اور ان خطرات کی نشاندہی کے بعد جو واقعات اور حقائق کی شکل میں اس کو درپیش ہیں، ہم اس نشیمن کو درپیش خطرات کے بارے میں بھی کچھ عرض کریں گے جو قیاسات نہیں، مشاہدات اور تجربات کی شکل میں دیکھنے والوں کے سامنے ہے۔

(۱) اس ملت کے لیے جس کے لیے خدائی تعلیم اور ایک مقبول و متعین دین پر نہ صرف جینا اور مرنا ضروری بلکہ اپنی اولاد و نسل کے بارے میں بھی یہ انتظام اور اطمینان ضروری ہے کہ وہ بھی اسی خدائی تعلیم اور مقبول و متعین دین پر زندگی

---

[1] سورہ المائدہ، ۸ [2] سورہ انفعال ۷۳، [3] یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہو کر تبلیغ و ہدایت کا کام نہ کریں گے۔

گذارے گی اور سفر آخرت اختیار کرے گی، اس لیے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ
وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [۱] اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو،
وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ [۲] اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

ایسی ملت کی ذمہ داری اس ملک میں بہت بڑھ جاتی ہے۔ جہاں لازمی طور پر کوئی ایسا نظام اور نصاب تعلیم جاری ہو، جو اسلام کے بالمقابل عقائد کی تعلیم دیتا ہو، اور جس کے مضامین اور مندرجات توحید و رسالت کے بنیادی اسلامی عقائد کے منافی اور شرک و وثنیت کے علانیہ داعی اور مبلغ ہوں، جہاں مسلمان بچے بھی کسی دوسری مذہبی قوم کی دیومالا MYTHOLOGY پڑھنے پر مجبور ہوں، جس کا یقین کرنے سے کوئی مسلمان (تاویل اور تکلف کے ساتھ بھی) مسلمان نہیں رہ سکتا، جہاں نصاب تعلیم، طرز تعلیم، رسوم و مظاہرات، لٹریچر، پریس، ذرائع ابلاغ (ریڈیو اور ٹی وی) کے ذریعہ نہ صرف ذہنی اور ثقافتی نسل کشی GENOCIDE کی کوشش کی جارہی ہے بلکہ مذہبی و اعتقادی نسل کشی کی بھی، اس لیے مسلمانوں کو اپنی آئندہ نسل اور اولاد کو اعتقادی، ایمانی اور ذہنی طور پر مسلمان رہنے کا انتظام کرنا ہوگا، اور ان کی بنیادی دینی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی اور اس کے لیے ان کی صحت اور ضرورت کے وقت علاج، لباس اور عام تعلیم سے زیادہ اس کی فکر اور اہتمام کرنا ہوگا، اور خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر اور پیغمبر زادہ حضرت یعقوبؑ کی طرح ان کو اپنی اولاد کے بارے میں وہی اطمینان حاصل کرنا ہوگا جو خدا کے اس پیغمبر نے اپنے فرزندوں کے بارے میں (جو تین تین پیغمبروں کی اولاد تھے) یہ کہہ کر حاصل کیا تھا کہ "ما تعبدون من بعدی" (تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟) اور انھوں نے جواب دیا تھا

---

[۱] آل عمران ۱۰۲ [۲] سورۃ التحریم ۶۔

کہ "نعبد الٰھک والٰہ اٰبائک ابراھیم واسماعیل واسحاق الٰھاً واحداو نحن لہ مسلمون"[۱] (ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے معبودوں کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں)

اس کے لیے ہندوستان کی ملت اسلامی کو اپنی اولاد اور اپنی نئی نسل کی بنیادی دینی تعلیم کی ذمہ داری، غذا اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے برابر بلکہ (نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے) ان سے زیادہ ہی قبول کرنی ہوگی، اس کے لیے آزاد مکاتب و مدارس کا قیام، گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے، خواتین و مستورات (ماؤں اور بہنوں اور بزرگ بیبیوں اور مربیات) کے ذریعہ بنیادی عقائد سے واقف اور پیغمبروں اور خصوصیت کے ساتھ خاتم الرسل اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شخصیت اور سیرت سے نہ صرف آشنا اور متعارف بلکہ گرویدہ اور معتقد بنانے کی کوشش کرنے اور ایمان و توحید کی محبت اور کفر و شرک سے وحشت اور دہشت کو گھٹی میں اتار دینے کی ضرورت ہوگی۔

دوسری طرف ان کی اردو کی تعلیم کا بھی انتظام کرنا ہوگا اور اس میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی، جس میں وہ دینی، علمی و ثقافتی سرمایہ اور ذخیرہ ہے جو عربی زبان کے بعد کسی مسلمان ملک کی زبان میں نہیں ہے، (اور بعض حیثیتوں سے وہ بعض شعبوں میں اس سے بھی فائق ہے) اس زبان سے مسلمان نسل کا یکسر ناآشنا ہو جانا اور اس میں لکھنے پڑھنے ہی نہیں اس کے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جانا ایک ذہنی و لسانی نسل کشی کے مترادف ہے، جو اس کو اپنے ماضی سے، اپنے تمدن اور تہذیب سے یکسر ناآشنا بنا دے گا،

---

[۱] سورۃ البقرہ ۱۳۳

اسی سلسلہ میں رسم الخط کا مسئلہ بھی آتا ہے، اس کی تبدیلی بھی کسی قوم کے اپنے قدیم علمی و تہذیبی سرمایہ اور اپنے اسلاف کی محنتوں اور اپنے ماضی سے رشتہ کاٹ لینے کے مرادف ہے، اور جیسا کہ فلسفی مؤرخ ٹوائینبی TOYANBEE نے لکھا ہے کہ :

"کتب خانۂ اسکندریہ کے مسلمان عرب فاتحین کے نذر آتش کر دینے کی روایت صحیح ہو یا غلط[1] اب ایسے کسی ذخیرہ کو نذر آتش کرنے اور برباد کر دینے کی قطعاً ضرورت نہیں رسم الخط SCRIPT بدل دینا کافی ہے۔"

اس لیے اردو رسم الخط کے قائم اور باقی رہنے پر اصرار و استحکام، اس کے باقی رکھنے کی جدوجہد کی بھی ضرورت ہے، اور اس کی تعلیم کے بندوبست اور اس کے مراکز قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے،

مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کا جزو ہے کہ ان کا عائلی قانون FAMILY LAW اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد و عبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں، اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم خبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی اس کی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:-

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ [2] — کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے

---

[1] واضح رہے کہ اب یہ روایت مورخین و ناقدین کے نزدیک محض افسانہ اور مسلمان عرب فاتحین پر ایک اتہام ہے ملاحظہ ہو علامہ شبلیؒ کی محققانہ کتاب "کتب خانۂ اسکندریہ" HITTI P.K. نے اپنی کتاب SHORT HISTORY OF ARAB'S میں بھی اس کی تردید کی ہے۔ [2] سورۃ الملک ۱۴

اسی طرح وہ زمانہ کا بھی خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی، حال و مستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو، اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لیے ایک بار یہ مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے، جو ایک زندہ جاوید امّت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لیے بنایا گیا ہے، تو ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد (اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی و عملی نفاق کے سوا کچھ نہیں۔

پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل، متوازن، اور عادل ہونے اور زمان و مکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کے عقلی و علمی شواہد، اور مسلم و غیر مسلم مشرقی و مغربی فضلاء، اور حری و انصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی "شپرہ چشم" ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے، اور بڑا قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہوگئی ہیں، اور یہ بادل جو ابھی کسی کسی وقت گرجتا ہے، کسی وقت ضرور برسے گا، تو انھوں نے "مسلم پرسنل بورڈ" کے نام سے دسمبر ۷۲ء ۱۹ میں اسی بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا، جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رُخ کا جائزہ لیا جاتا رہے، تاکہ اچانک ان پر یہ، یا کوئی دوسرا مسئلہ "شبخون" نہ مارنے پائے، یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی کے لحاظ سے تحریک خلافت کے بعد نہیں ملتی، ۱۹۴۷ء کے بعد اتنے بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لا میں اصلاح و ترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات

کو ہوا کا رُخ معلوم ہو گیا، اور اتنا ثابت ہو گیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صد فی صد متفق ہیں، اس لیے دانش مندی، حقیقت پسندی، اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضہ ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے، لیکن ذہنیتوں اور نیتوں کا مطالعہ فرقہ وارانہ اور سیاسی جماعتوں کا مشاہدہ اور مجالس آئین ساز کا تجربہ بتاتا ہے کہ اس بارہ میں کلّی اور دائمی طور پر مطمئن ہونے کا جواز نہیں، ایسے مسائل کے بارے میں ہمیشہ چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے کہ ع

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

آخر میں اصلاح معاشرہ کا نمبر آتا ہے، ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے گھر اور خاندانوں کے ماحول میں اللہ کے بتائے ہوئے اور اللہ کے رسول کے برتے اور سکھائے ہوئے عائلی قانون (رشتہ داروں کے حقوق و فرائض، تقسیم میراث، نکاح و طلاق، اور شادی بیاہ کے طریقوں) کے بارہ میں سخت خود رائی، انحراف، رسم و رواج کی پابندی اور ہمسایہ قوم کی پیروی اور نقالی سے کام لیا ہے، شادی میں حد درجہ کا اسراف و فضول خرچی، نمود و نمائش، حدود شرعیہ سے تجاوز، اور آخر میں لڑکی والوں سے بڑھے چڑھے جہیز کا مطالبہ رواج پا چکا ہے (جس کو کہیں "تلک" اور کہیں "گھوڑا جوڑا" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے) یہ رسم و رواج غیر اسلامی اور غیر شرعی ہی نہیں بلکہ "جاہلیت حاضرہ" کی پیروی، غیر مسلموں کی اندھی تقلید اور دولت پرستی اور پیسہ کی حد سے بڑھی ہوئی لالچ کا وہ مظاہرہ ہے، جو نہ صرف بے برکتی کا باعث ہے بلکہ بہت جگہ قابل نکاح لڑکیوں کے بیٹھے رہنے اور ان کے والدین اور سرپرستوں کی اس پریشانی کا سبب ہے جو بعض اوقات اور بعض مقامات پر خودکشی کر لینے اور زہر کھا لینے تک پہونچا دیتا ہے۔[1]

---

[1] اس کے متعدد واقعات بعض شریف گھرانوں میں پیش آچکے ہیں۔

اس صورت حال کے خلاف ایک مؤثر ملک گیر اصلاح معاشرہ کی مہم چلانے کی ضرورت ہے جو مساجد سے شروع ہو کر انجمنوں، شہروں، قصبات اور محلہ محلہ پھیلے، اور وہ مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ، اقدار و معیار، عزت و شرافت، اور احساس شعور میں انقلاب برپا کردے، اور وہ ان رسوم جاہلیت، تقابل اور تفاخر کے غیر اسلامی طریقوں اور مظاہروں سے توبہ کر کے دین حنیف اور صحیح اسلامی و نبوی منہج حیات کو اختیار کریں وما ذلك على الله بعزيز۔ [1]

ملت کے بارہ میں ہم اس محدود اور قیمتی وقت میں انھیں چند نکات اور پہلوؤں پر اکتفا کرتے ہیں، اور حاضرین باتمکین سے جو نہ صرف صاحب فکر و مطالعہ ہیں۔ بلکہ اصلاحی و اجتماعی، ودعوتی و فکری میدانوں سے تعلق رکھتے ہیں، یہ کہہ کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ ؎

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

لیکن پھر ایک بار دل پر ہاتھ رکھ کر اور جگر تھام کر کہنا پڑتا ہے، کہ ملک کو تباہی سے بچانے اور اس کے معاصر دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل کرنے کے لیے جو اس کی وسعت، کثرت آبادی، وسائل و ذخائر، شاندار تاریخ اور ایک ایسی ملت اور دین کی موجودگی کے شایان شان ہے، جس کی بنا پر اس کو خیر امت، اور جس کے دین کو نعمت خداوندی اور آخری پیغام آسمانی کہا گیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ [2]

آج میں پورا کر چکا تمھارے لیے تمھارا دین، اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا احسان، اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے اسلام کو دین۔

---

[1] الحمد للہ کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس دعوت و تحریک کو اپنے بنیادی فرائض اور دائرہ عمل میں شامل کیا ہے، جا بجا اس مقصد اور نام سے کانفرنسیں اور اجتماعات ہوئے اور ہو رہے ہیں، اور الحمد للہ وہ بے اثر اور بے نتیجہ نہیں۔ [2] سورۃ المائدۃ۔ ۳

اگر یہ ملّت ملک کو بچانے کی جد و جہد کرنا تو الگ رہا، اپنے مسائل کو بھی مؤثر طریقہ پر پیش کرنے ملک کی اکثریت اور صاحب اقتدار جماعت کو ان حقائق سے آشنا، اور ان ضروریات اور کاموں کی تکمیل کے لیے آمادہ کرنے سے بھی قاصر رہی، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ ابلاغ عامّہ کے ذرائع اور پریس تک بھی اپنی ضروریات، احساسات اور جذبات کو نہیں پہونچا سکی، جو ایک "شہری"، اور اس سے زیادہ اتنی بڑی "اقلیت"، کا حق ہے جو ملک کے پورے سیاسی، انتظامی، فکری و اخلاقی ڈھانچہ کو (اگر اس میں اتحاد، عزم اور علم و سلیقہ ہو) متاثر کر سکتی، اور اس کو بنا اور بگاڑ سکتی ہے، تو اس کو کسی معنیٰ و مفہوم میں آزاد اور ایک جمہوری و نا مذہبی (سکولر) ملک کی باعزت اکائی نہیں کہا جا سکتا۔

اس کی بڑی وجہ ایک ایسے متحدہ پلیٹ فارم، وفاقی مجلس، اور پوری ملّت کی نمائندہ قیادت کا فقدان ہے، جس کی آواز ملّت کی آواز سمجھی جائے، اور جس کو پوری ملّت کا اعتماد اور تعاون حاصل ہو، اور جو گروہی عصبیتوں، فرقہ وارانہ اختلافات یا طرز فکر، کسی مکتب خیال، ادارہ، مدرسہ، فقہی مسلک، خاندان، سلسلہ یا شخصیت کی مقبولیت و نامقبولیت، نیک نامی و بدنامی، کامیابی و ناکامی، تعریف و تنقید کے امکانات و مواقع سے بے نیاز و بالاتر ہو کر، دھڑکتے ہوئے دل کی آواز، حقائق کی تصویر کشی، بیماری اور تکلیف کی اصل جگہ پر انگلی رکھ دینے اور ایسے اظہار حقیقت کا فرض انجام دے جس میں نہ کسی گروہ و انجمن اور مکتب خیال کی رو رعایت ہو، نہ کسی تنظیم اور انجمن کی پاسداری، اور دور کا یہ خیال بھی کہ اس کا فائدہ فلاں قیادت یا فلاں مرکز کو پہونچے گا اور اس کو ملّت میں دوسری قیادتوں اور مرکزوں پر تفوق اور بالاتری حاصل ہوگی، اس کے پیش نظر صرف یہ ہو کہ ملک و ملّت کے یہ مسائل، ضروریات اور وقت کے یہ حقائق اور صداقتیں ایک متحدہ پلیٹ فارم سے ایک متحدہ آواز میں صاحب اقتدار جماعت، حکومت اور محبّ وطن حقیقت پسند

اور صاحب ضمیر تنظیموں اور افراد اور پریس و ذرائع ابلاغ تک پہونچ جائے، اور اس سے تغافل برتنا ہی نہیں بلکہ صرف نظر کرنا بھی صاحب اقتدار اور با اختیار جماعت کے لیے اگر ناممکن نہیں تو دشوار ہو جائے، یقین مانئے کہ اگر ملّت کا ایسا متحدہ پلیٹ فارم اور ایسی اجتماعی مُوَحّد قیادت (جس کے لیے ضرورت نہیں کہ وہ شخص واحد کی شکل میں ہو، وہ مختلف جماعتوں، گروہوں، تنظیموں اور پلیٹ فارموں کے نمائندوں کا ایک مجموعہ بھی ہو سکتی ہے) وجود میں آجائے[1] اور یہ بات ہر حال میں

---

[1] اس تاریخی واقعہ اور حقیقت کا اظہار ضروری اور ہر طرح قرین انصاف ہے کہ ۱۹۶۴ء کے پُر آشوب دور میں جب جمشید پور، راوڑکیلا اور رانچی میں وسیع اور مہیب پیمانہ پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور ملّت اسلامیان کا نشانہ بنی، اور اس غیر فطری اور غیر انسانی صورت حال سے خود ملک خطرہ میں پڑ گیا، تو ہندوستان کے ممتاز محبان وطن جنگ آزادی کے قائدین، اور ملت کے غمخواروں کی ایک تعداد کی (جن میں ڈاکٹر سید محمود صاحب مرحوم پیش پیش اور اصل داعی اور محرک تھے) کوشش سے مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل ہوئی، اور اس کا پہلا اجلاس ۸ راگست ۱۹۶۴ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں ڈاکٹر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، اور اس مجلس کی باضابطہ تشکیل عمل میں آئی، اور اس کا مرکزی دفتر دہلی میں قائم ہوا، اس مجلس کے بنیادی ارکان نے (جن میں ملّت اور ملک کے چیدہ اور برگزیدہ افراد اور مختلف سیاسی مجالس کے ذمہ دار ارکان تھے) بہار واڑیسہ، گجرات و مہاراشٹر، تامل ناڈو اور کرناٹک کے بڑے کامیاب اور مفید و موثر دورے کیے، اور ان کا وہاں کی پبلک نے بڑے جوش و خروش اور عقیدت و خلوص سے استقبال کیا، اور اس وسیع پیمانہ اور پُر از اعتماد فضا میں عمومی اجلاس ہوئے، جن کی نظیر ملک کی پچھلی تاریخ اور قریبی سنین میں ملنی مشکل ہے، اس مجلس کی افادیت اور کارگزاریوں سے صرف نظر نا قرین انصاف نہیں، افسوس ہے ڈاکٹر صاحب اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد (جو اس کے صدر رہے) مجلس میں تعطل اور انتشار پیدا ہو گیا، اور اس میں وہ سرگرمی اور اتحاد خیال باقی نہ رہا جو اس کی خصوصیت و امتیاز تھا۔ ولعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک أمرًا۔

ملک کی حقیقت پسند اور باخبر آبادی، صاحب اقتدار جماعت اور ذرائع ابلاغ پر اچھی طرح واضح ہو کہ یہ ہندوستان کی ملّت اسلامیہ کے منتخب نمائندے، معتمد و محترم قائد ہیں، اور یہ ایک ملیّ وفاق ہے جو پوری ملّت کا ترجمان اور وکیل ہے، اس کی آواز ملّت ہی نہیں ملک کی آواز ہے، اور یہ اس کا ضمیر اور اس کی زبان ہے، آپ یقین فرمائیں کہ اس کے بعد اس کی طرف سے ملک و ملّت کی جو ترجمانی اور دونوں کے درپیش مسائل کی جو وکالت اور اس کی جو نمائندگی اور ترجمانی ہوگی، وہ ایک آزاد جمہوری ملک میں (جہاں کسی قابل لحاظ تعداد اور مؤثر عنصر اور آبادی کے کسی معتد بہ حصہ کے مطالبے، شکایت اور حقیقی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا) وہ ضائع نہیں جائے گی، اپنا اثر کرے گی اور ملک کو تباہی اور ملّت کو دینی، تہذیبی، لسانی اور ثقافتی نسل کشی سے بچالے گی۔